مرزا غالب کی شاعری اور ان کی شخصیت

(جناب عزیز الرحمٰن صاحب جامعی مہتمم تعلیمی مرکز جامعہ ملیہ احاطہ کالے صاحب دہلی)

یہ مختصر مقالہ انجمن تعمیر اردو کے زیر اہتمام غالب ڈے پر ۱۹ جون کو پڑھا گیا تھا

ہندوستان میں فن آرٹ کا مانا ہوا فنکار چغتائی جب مٹتے ہوئے ایشیائی تہذیب و تمدن کے نقوش کو نمایاں کرنے کے لئے بیتاب ہو جاتا ہے تو اسے ایشیائی تہذیب کے خدوخال اور تہذیبی اور تمدنی روح مرزا غالب کے اشعار میں ملتی ہے چغتائی کو فن کاری کے لئے مرزا غالب کی شاعری میں ایک وسیع میدان ملتا ہے مصور چغتائی ایشیائی تہذیب و تمدن کے نقوش پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"شاعر ہو یا مصور وہ ایسے راہ پر گامزن ہوتا ہے جہاں ہر قدم پر کہکشاں کے تارے بکھرے پڑے ہیں جہاں کے ذرہ ذرہ میں قوموں کا مستقبل اور ملکوں کی قسمت کا فیصلہ پوشیدہ ہے یہ قدرت کا پیغامبر صنف نازک سے ایک گہرا لگاؤ رکھتا ہے اور زندگی کے سارے سرمایہ کو بے دریغ قدرت کی اس پراسرار نعمت پر قربان کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے اور اس کے وسیلہ سے عالمگیر اوصاف، آزاد حسن، نازک نازک تمثیلیں اختراع کرتا ہے جو ملکی اور قومی کاموں میں ہمیشہ انقلاب کا باعث ہوئیں۔"

مرزا غالب اس تعریف کے پورے مستحق تھے ایشیائی تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کی داستان، اس کی خوبیوں اور برائیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کو مرزا کے کلام میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ مرقع چغتائی کے پیش لفظ میں مصور نے لکھا ہے۔

مرقع شائع کرنے سے میرا مقصد ایشیائی تہذیب کی روح کو قالب پذیر کرنا ہے جس کا بہترین

علمبردار مرزا غالب تھا اس موقع کی اشاعت سے ان نقوش کو جواب بہت مدھم پڑتے جاتے ہیں ایک نئی زندگی دینے میں مدد ملے گی۔

مصور چغتائی نے ایشیائی تہذیب و تمدن پر موقلمی کرتے ہوئے اور عشق و محبت کی زندگی میں بیتابانہ طلب و آرزو کا نقش پیش کرتے ہوئے مرزا کے اس شعر کو سامنے رکھا ہے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے   رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

مصور نے مرزا کے اس شعر کو تصویر کا جو لباس پہنایا ہے اسے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ عالم پیری کی بے کسی اور بے بسی میں آرزوئیں اور امیدیں نہ صرف یہ کہ جوان ہی رہتی ہیں بلکہ جوانی کے مدہوش عالم کی طرح ہی لذت یاب ہونے کے لئے بے تاب ہیں، تسکین نظر اور لذت یابی کی تمنا کی طرف مرزا نے نہایت ہی اچھوتے انداز میں اشارہ کیا ہے "آنکھوں میں تو دم ہے"

چغتائی نے دوسرے نقش میں "چمن کا جلوہ ہے باعث مری رنگیں نوائی کا" اس مصرع کو سامنے رکھا ہے۔ اس رنگیں نوائی میں مصور نے ایک ایسی دعائیہ تصویر بنائی ہے۔ جسے اقبال کی زبان میں یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

اسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن

زوال آدم خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

مرزا نے زوال آدم خاکی کے مذہبی تصور کی بجائے ایشیائی حسن و عشق میں ڈوبی ہوئی داستانوں کی زبان میں انسان کے مقام زندگی کو ایسے دلنشین پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ لطیف اشارہ ممکن نہ تھا۔

تیسرا نقش ایشیائی صنف نازک کے فراق کی اس غمناک داستان کو پیش کرتا ہے کہ ایشیا بھر میں ایک جوان اور حسین فرمانبردار بیوی درد فراق میں کس طرح جل جل کر زندگی کے دن پورے کرتی ہے اور اس پر بھی اس کی المناک زندگی کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

اس دردناک ایشیائی معاشرہ کو شکل دیتے وقت مصور نے مرزا کے اس شعر کو منتخب کیا

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مرقع چغتائی کے نقوش کا تذکرہ کرنے سے میرا مقصد مرزا کی شاعری کی روح کو بیان کرنا تھا باقی یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ مرزا شاعر تھے یا ایک دکھیا انسان۔ مرزا نے اپنے شعوری دور سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک ایشیا میں عوامی زندگی کو زنگار رنگ مصائب میں تڑپتے ہوئے دیکھا اور آزردہ ایک دن کہہ اٹھے

یہ لاشِ بے کفن اسدِ خستہ جاں کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اسدِ خستہ جاں کی بے کفن لاش حقیقت میں کروڑوں ایشیائی انسانوں کی بے کفن لاشوں کی نمائندگی کرتی ہے جنہیں زندگی میں دم بھر کے لئے بھی کبھی چین نصیب نہ ہوا لیکن اس پر بھی وہ جی رہے ہیں اس سے زیادہ حیرت انگیز بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

مرزا ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

اس شعر میں مرزا نے اپنی زندگی کو عبرت کے لئے پیش کیا ہے۔ غور کیجئے کتنا عبرت آموز سبق ہے کہ جب اسد اللہ خاں غالب کو بادشاہ کی خوشامد اور مدح سرائی کے بغیر روٹی نصیب نہیں ہوتی اور بغیر خوشامد اور قصیدہ گوئی کے اس عظیم المرتبت شاعر و فلسفی کو بھی عزت حاصل نہیں ہے تو پھر غریبوں اور مفلسوں کو سرمایہ دارانہ معاشرہ میں قصیدہ گوئی اور خوشامد کے بغیر کس طرح عزت اور روٹی حاصل ہو سکتی

غالب مرحوم ایسے دور کی پیداوار ہیں کہ بقول مولانا ابو الکلام آزاد۔

مرزا غالب نے عمر بھر بہادر شاہ کی لاحاصل مداحی کی تھی اور وہ قصائد جو عرفی اور نظیری سے مقابلہ کا دم رکھتے تھے ایک ایسے مخاطب کے سامنے ضائع کئے جا رہے تھے جس کے سر پر جہانگیر و شاہجہاں کا تاج تو ضرور تھا لیکن عرفی اور نظیری کی قدر شناسی کا ہاتھ نہ تھا۔

فتح دہلی کے بعد جو مصیبتیں دہلی والوں پر نازل ہوئیں تھیں اور مسلمانوں کے خون کے فوارے

انگریز کی سنگینوں سے بہہ رہے تھے ان کو مرزا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ان چیخوں کو اپنے کانوں سے سنا تھا جو عرصہ تک دارالخلافہ کی گلیوں اور کوچوں سے بلند ہوتی رہی تھیں فتح دہلی کے بعد مرزا کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ بہادر شاہ ختم ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ انگریزی شمشیریں چمکتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ایسی حالت میں مرزا زندگی کی نئی کشمکش میں مبتلا ہو گیا۔ ایک طرف غریبی اور مفلسی نے دامن تار تار کر رکھا تھا اور دوسری طرف لوگوں پر بغاوت کے الزامات لگ رہے تھے مرزا زندگی چلانے یا یوں کہئے زندگی کی گاڑی گھسیٹنے کے لئے بادشاہ کے قصیدہ خانوں میں چلے آرہے تھے اس لئے انہیں بھی خدشہ ہو گیا کہ میں باغی سمجھا جاؤں گا ان حالات سے متاثر ہو کر انھوں نے یہ اشعار کہے

کوئی امید بر نہیں آتی　　کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے　　نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پر ہنسی　　اب کسی بات پر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی　　کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی　　موت آتی ہے پر نہیں آتی

۱۸۵۷ء میں دہلی کے خونی واقعات پر دنیا بھر نے آنسو بہائے تھے۔ مرزا جیسے غم دوست شاعر نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا یہ اشعار اسی غم والم کی ترجمانی کر رہے ہیں جس غم والم سے مرزا کے دل وجگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔

مرزا انگریزی غدر کے بعد نہایت خودداری سے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے لیکن حکومت کے تشدد نے ہر خوددار آدمی پر زندگی کے دروازے بند کر دئے۔ مرزا شاعر تھے انھیں روزی کمانے کا کوئی دوسرا ڈھنگ ہی نہ آتا تھا اور مدت سے بادشاہی وظیفے پر زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے اسی وظیفہ کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے انگریزی حکام کی مدح میں بھی قصیدے لکھے ایسے مشکل اور نازک حالات میں مرزا کو اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف جو فیصلہ کرنا پڑا

ظاہر ہے اس سے ان کی توقیر و عزت کم نہیں ہوئی۔ خونریز انقلابی دور میں بڑے بڑے بہادروں کو مرزا سے بھی زیادہ ناگوار فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔

مولانا آزاد مرزا کے بارہ میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں " غدر کے بعد مرزا گھر سے باہر نہ نکلتے تھے اور آخر تک گھر ہی میں بند رہے۔ مہاراجہ پٹیالہ کی سرکاری فوج حکیم محمود خاں اور مرزا غالب کے مکانوں کی حفاظت کرتی تھی۔ انگریزی غدر کے بعد گو ضرورتِ وقت اور احتیاج نے بعض انگریزی حکام اور گورنروں کی چوکھٹوں پر گرا دیا تھا اور مدحیہ قصائد لکھوائے تھے ایک ضعیف الارادہ انسان حالات کی مجبوری سے صدہا باتیں دل کی پوری ناخوشی کیساتھ کرتا ہے مگر کچھ اس سے دل کے اصلی محسوسات و جذبات مٹ نہیں جاتے۔"

ان قصیدہ خوانیوں کے باوجود سرکاری حلقوں میں ایک مدت تک مرزا کی وفاداری کا یقین نہ کیا جا سکا اور وہ ایک باغی ہی سمجھے جاتے رہے۔ مرزا کے لئے یہ حالت انتہائی صبر آزما تھی ایک شاعرانہ کرّی منزلوں کا مرد نہیں ہو سکتا۔ ان حالات کی روشنی میں مرزا کا یہ شعر پڑھئے تو واقعات کی مسلسل تاریخ آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو　　میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

عشق و حسن کی دنیا کا جائزہ لیتے وقت بھی مرزا نے ایشیا کے معاشرہ کو سامنے رکھا ہے ایشیا کے کروڑوں دردمند دلوں سے جو آہیں شب و روز نکلتی ہیں۔ انھیں مرزا نے اس طرح محسوس کیا گویا مرزا کا دل و جگر پھٹ گیا ہے فرماتے ہیں۔

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز　　میں ہوں اپنی شکست کی آواز

مرزا کے کلام اور ان کی شخصیت پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔

دہلی کے غالب نہیں بلکہ ایشیائی تہذیب و تمدن کے علمبردار کو رخصت ہوئے ایک صدی کے قریب ہو گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالب آج بھی زندہ اور پائندہ ہے۔

تعمیر اردو کے زیر اہتمام اردو کے شائع کی موجودہ تحریک کے زمانہ میں آج ہند و مسلمانوں

اور سکھوں نے مل کر غالب ڈے منایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ . . . . . یہ صرف چند نوجوانوں کی زندگی کا ثبوت نہیں ہے بلکہ غالب کے غیر فانی زندہ جاوید تخیلات وافکار نے پھر دہلی کی پژمردہ وافسردہ فضا میں زندگی کی لہر دوڑا دی ہے۔

غالب اسکول کے متعلق مرا یقین ہے کہ یہ ایک ایسا سکوں ہے جس کے زبان وادب، شاعری اور انتشار کو زمانہ کے انقلابات اور متعصبانہ تحریکیں نہیں مٹا سکیں۔

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بیمثیل تحفہ

ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ۔ سالہا سال کی عرق ریز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ و دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد جلد اول تقطیع $\frac{29\times22}{8}$ سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد خامس سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثالث ورابع زیر کتابت ہیں

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی